بحث و نظر

اسلامی تہذیب

(نصب العین اور مزاج)

جناب محمد سعود عالم صاحب قاسمی

ہر تہذیب کی قوتِ حیات اس کے نصب العین میں پنہاں ہوتی ہے۔ نصب العین کے بغیر کوئی تہذیب زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ نصب العین ہی دراصل تہذیب کے رد و قبول کا معیار ہوتا ہے اور تہذیب کے دائرہ کار کا تعین کرتا ہے اور اس کے عروج و زوال کا پیمانہ بنتا ہے۔ اس لیے کسی تہذیب کے حسن و قبح کا اندازہ لگانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے نصب العین سے واقفیت حاصل کی جائے۔ نصب العین کا مطلب ہے وہ شئی جو ہر وقت انسان کی نگاہوں میں رچی بسی رہے اور جو انسان کی ساری جد و جہد اور تگ و دو کا حاصل ہو۔ جو اس کا مقصد حیات اور منتہائے کمال ہو۔ اس لحاظ سے فرد کا بھی نصب العین ہوتا ہے اور مجموعۂ افراد یعنی جماعت کا بھی۔ جس طرح فرد کے اعمال و افعال اور خواہشات کا کوئی نہ کوئی متعین مقصد ہوتا ہے جس کے لیے وہ تکلیفیں اٹھاتا ہے اور پریشانیاں جھیلتا ہے اور بہت سی چیزوں کو اس پر قربان کر دیتا ہے۔ اسی طرح جماعت کی سرگرمیوں کا بھی ایک مقصد ہوتا ہے جس کے حصول کو وہ اپنی کامیابی تصور کرتی ہے اور اس کا گہرا شعور اپنے افراد میں پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے جماعت کا یہی نصب العین اس کے ایک ایک فرد کا نصب العین بن جاتا ہے۔

انفرادی زندگی کا نصب العین

اگر کسی معاشرے کے افراد سے مل کر ان کی جد و جہد کا مقصد اور زندگی کا نصب العین معلوم کیا جائے تو ان سب کے جوابات مختلف بلکہ باہم متضاد ہو سکتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے نقطۂ نظر اور اپنی اپنی قوت و ہمت کے مطابق زندگی کی راہ متعین کرتا ہوا نظر آئے گا ان سب جوابات کو مندرجہ ذیل عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ جذبات و خواہشات کی تکمیل اور لذات و مفادات کا حصول۔
۲۔ دنیوی تکالیف اور رنج والم سے نجات اور قلبی سکون و اطمینان۔
۳۔ ایک صحت مند اور توانا زندگی جو ہر قسم کی بیماری اور کمزوری سے پاک ہے
۴۔ مال و دولت کی فراوانی اور اثر و رسوخ پیدا کرنا۔
۵۔ حکومت اور اقتدار جس کے ذریعہ خواہشات کی تکمیل ہو۔
۶۔ ایک ابدی زندگی کا حصول جو غیر فانی اور پر مسرت ہو۔
۷۔ سعادت اور نیک نامی جو مرنے کے بعد بھی باقی رہے۔
۸۔ علوم و فنون اور ایجادات و اختراعات میں کمال۔
۹۔ زندگی کی ناکامی سے نجات اور فلاح و کامرانی کا حصول۔
۱۰۔ اپنے خالق اور مالک کی رضا و خوشنودی۔

یہ چند نمایاں مقاصد ہیں جن کو عموماً فرد اپنا نصب العین قرار دیتا ہے۔ ان تمام چیزوں میں سوائے آخری شئی یعنی اپنے خالق کی رضا کے کسی اور میں نصب العین بننے کی صلاحیت نہیں ہے یہ سب انسان کی ضروریات تو ہو سکتی ہیں مگر ان میں سے کوئی ایک بھی ان کا مقصد زندگی نہیں بن سکتی۔ جن لوگوں نے ان چیزوں کو اپنا نصب العین بنایا ہے وہ بظاہر کتنے ہی کامیاب نظر آئیں مگر حقیقت میں وہ ناکام ہیں۔ ان کی مثال ایک مغربی ادیب کے بقول اس کتے کی سی ہے جو اپنی دم پکڑنے کے لیے اپنے ہی گرد گھومتا رہتا ہے نہ تو اسے دم ہی ہاتھ آتی ہے اور نہ اس کی گردش ہی رکتی ہے اور اسی بے فائدہ اور بیہودہ کھیل میں اس کی ساری عمر صرف ہو جاتی ہے[1]

تہذیب کا نصب العین

تہذیب چونکہ سماجی اور اجتماعی زندگی کی فوقی ساخت (SUPER STRUCTURE) ہوتی ہے اس لیے اس کی سرگرمیوں کا محور یہ ہونا چاہیئے کہ وہ افراد کو ان کے نصب العین کے حصول میں سہولتیں فراہم کرے، حالات سازگار کرے۔ اور امکانات کا دائرہ وسیع کرے اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ تہذیب کا نصب العین بھی وہی ہوگا جو اس کے افراد کا ہوگا، مگر اجتماعیت

---

[1] یوسف القرضاوی، الایمان والحیوٰۃ صہ ۸۲

کے کچھ اپنے مخصوص تقاضے ہوتے ہیں اس لیے تہذیب کے نصب العین میں ان تقاضوں کی رعایت ناگزیر ہو جاتی ہے اور تہذیب کا نصب العین فرد کے نصب العین سے وسیع، بلند اور ہمہ گیر ہو جاتا ہے۔ پھر فرد اپنے نصب العین کے حصول کی کوشش محدود پیمانہ پر کرتا ہے جبکہ تہذیب کو وسیع تر دائرہ میسر ہوتا ہے۔

یہاں تفصیل میں نہ جاتے ہوئے صرف چند اہم اور قابلِ ذکر تہذیبوں کے نصب العین کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

یونانی تہذیب کا نصب العین

یونان نے اپنا نصب العین فرد کی تہذیبِ نفس کو بنایا ہے لیکن چونکہ مذہبی روح یہاں کمزور تھی اور مذہب کے بعد فرد کی اندرونی ذہنی تربیت کا کام ذوق جمال ہی دے سکتا ہے اس لیے انفرادی تہذیب نفس نے یونانیوں کے یہاں جمالیاتی تہذیب کی حیثیت اختیار کر لی جس کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ انھیں فنون لطیفہ سے بہت شوق تھا بلکہ وہ جسمانی اور نفسی قوتوں کی ہم آہنگ تربیت سے انسان کی زندگی کو آرٹ کا نمونہ بنانے کی کوشش کرتے تھے[1]

رومی تہذیب کا نصب العین

رومی تہذیب نسلی اور سیاسی برتری پر قائم تھی اور اہل روم کو ہمیشہ انھیں دونوں کی حفاظت کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ روما میں فرد جہاں اجتماعی مشین میں محض ایک پرزے کی حیثیت رکھتا تھا تہذیب کا نصب العین ایک عالم گیر سلطنت کا قیام تھا اور ایک مکمل و مفصل قانون کا نفاذ جس کے ذریعہ رومی امن یعنی رومیوں کا تسلط ماتحت قوموں پر رکھا جا سکے[2]

روحانی تہذیبوں کے نصب العین

روحانی تہذیبوں میں بدھ مت اور مسیحیت سرِ فہرست ہیں۔ ان دونوں تہذیبوں کا نصب العین انفرادی نجات اور شخصی کامیابی تھی چونکہ ان کی نظر میں دنیا ایک دار العذاب ہے جہاں انسان

---

[1] ڈاکٹر عابد حسین: قومی تہذیب کا مسئلہ ص ۱۱۲۔ [2] ایضاً۔

اپنے پیدائشی جرم کی سزا بھگتنے کے لیے پھینک دیا گیا ہے۔ اس لئے اس سے نجات حاصل کرنا ان تہذیبوں کا نصب العین ہے اور نجات حاصل کرنے والوں کو دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس کی تعبیر وہ اس طرح کرتے ہیں:

"اصل میں پیدائش دنیوی مصیبت ہے بڑھاپا، بیماری، موت، ان سے دور ہونا جن سے محبت کرتے ہیں اور ان سے ملنا جن سے نفرت کرتے ہیں۔"[1]

قومی تہذیب کا نصب العین

قومی تہذیب کا نصب العین سوائے قوم کی تعمیر و ترقی اور غلبہ و استیلاء کے اور کچھ نہیں ہوتا قومی تہذیب کے نصب العین کی بہترین ترجمانی ہٹلر کی زبانی یوں ہے:

"ہر وہ شخص جو قومی نصب العین کو اس حد تک اپنانے کے لیے تیار ہو کہ اس کے نزدیک اپنی قوم کی فلاح سے بالاتر کوئی نصب العین نہ ہو اور جس نے ہمارے قومی ترانے 'جرمنی سب سے اوپر' کے معنی و مقصد کو اچھی طرح سمجھ لیا ہو یعنی اس وسیع دنیا میں جرمن قوم اور جرمنی سے بڑھ کر کوئی چیز اس کی نگاہ میں عزیز اور محترم نہ ہو ایسا شخص نیشنل سوشلسٹ (NATIONAL SOCIALI-ST) ہے۔"[2]

مغربی تہذیب کا نصب العین

مغربی تہذیب میں بنیادی اہمیت انسان کے مادی وجود اور دنیوی ترقی کو دی گئی ہے۔ اس لیے مغربی تہذیب کا نصب العین مادی ترقی اور دنیوی مفادات کا حصول ہے۔ چونکہ مغرب نے ہر اس عقیدہ اور زندگی کی قدر کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے جو محسوسات کے دائرہ سے باہر ہو یا جس کا تعلق کسی غیبی طاقت سے ثابت کیا جائے، اس لیے اس تہذیب میں انسان نہ تو وہ ذمہ دار ہستی ہے جس کو کسی دن اپنے اعمال اور عقائد کا جواب اور حساب دینا پڑے گا اور نہ اس کی نظر میں ایسی کوئی قادر مطلق ذات ہی ہے جو انسان کی غیر محدود خواہشات اور لذات کو اصولوں اور قدروں کا پابند بنا سکے، چنانچہ وہاں انسان کی کامیابی اس پر ہے کہ وہ مادی طور پر

---

[1] لی بان، تمدن ہند صفحہ ۲۶، ترجمہ غلام علی بلگرامی [2] سید ابوالاعلیٰ مودودی، تحریک آزادی ہند اور مسلمان صفحہ ۳۵۲ بحوالہ HISTORY OF SOCIALISM

بلند سے بلند تر ہو جائے ۔ اور خواہشات کی تکمیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دے۔[1]

مذکورہ تہذیبوں کے نصب العین کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افراد کے نصب العین سے کچھ زیادہ بلند نہیں ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ انسان کی خواہش لامحدود ہے وہ ہر خواہش کی تکمیل پر دوسری خواہش کا اظہار کرتا ہے اور هل من مزید کی صدا لگاتا رہتا ہے ۔ اور یہ نصب العین اس معاملہ میں اس کے معاون بن جاتے ہیں ۔ اور اسے خواہشات کا بندہ بنا کر چھوڑتے ہیں، انسان اگر ان کو اپنا لے تو حقیقی فلاح اور سعادت سے ہم کنار نہیں ہو سکتا ۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ تہذیب کا نصب العین غلبہ اور تعلی یا مضبوط حکومت کا قیام ہے تو ہو سکتا ہے کہ بعض افراد کا یہ نصب العین ہو مگر ہر فرد کا تو نہیں ہو سکتا اور اگر فرد کا نصب العین بھی وہی ہو جائے تو فرد اور معاشرے میں زبردست کشمکش شروع ہو جائے گی اور آج انسانیت اسی کشمکش میں مبتلا ہے ۔ ہر شخص کا نصب العین مفاد پرستی غلبہ، تعلی، استحصال اور لوٹ کھسوٹ بن کر رہ جائے گا ۔ ان نصب العینوں کے حصول کے مواقع چونکہ ہر شخص کے لیے یکساں نہیں ہیں نہ ان کا مساوی طور پر حاصل کرنا افراد کے لیے ممکن ہے اس لیے جو لوگ اس کے حصول میں ناکام ہوں گے ان میں لازماً احساس کمتری اور تہذیب کے اصولوں سے بغاوت کا احساس پیدا ہوگا ۔ پھر یہ نصب العین محض جزوقتی اور زمانی حالت سے مطابق تو ہو جائیں مگر دائمی عالم گیر اور ہمہ گیر نہیں بن سکتے ۔

ایک اور نصب العین

جو لوگ زندگی کی روحانی قدروں اور مابعد الطبیعاتی اصولوں پر یقین نہیں رکھتے اور ان کے لیے دنیوی لذات، مادی مفادات اور غلبہ و تعلی بھی چنداں اہم نہیں ہیں انھوں نے تہذیب کا نصب العین انسان کی خدمت و ہمدردی اور اس کے لیے خود کو قربان کر دینے کو قرار دیا ہے ۔ اس کی تشریح اس طرح کی جاتی ہے کہ کسی نفع کی امید کے بغیر اور کسی مقصد کے حصول سے بے نیاز ہو کر انسانوں سے محبت اور ان کی خدمت کی جائے سسرو کے الفاظ میں ۔

"آدمی صرف اس غرض کے لیے پیدا کیا گیا ہے کہ آدمی کے کام آئے ۔

---

[1] GHULAM ALI HADDAD : THE CULTRUEAL NAKEDNESS CRECSENT, CANADA, JANUARY I - 15 1983 .

فطرت کے حکم یہ ہے کہ ہر انسان کو دوسرے انسان کا بہی خواہ ہونا چاہئے"[1]
لیکن یہ درست ہے کہ ہر انسان کو دوسرے انسان کا ہمدرد و بہی خواہ، غم خوار و مددگار اور محبِ انسانیت ہونا چاہیے اور اس کو ہر لالچ سے بے نیاز ہونا چاہیے مگر سوال یہ ہے کہ اس عمل کا محرک کیا ہو؟ کیا صرف محبت برائے محبت اور خدمت برائے خدمت اس کا محرک ہوسکتی ہے؟ اور کیا ایک ایسے انسان کو جو اپنا ہر کام دائمی یا عارضی نفع کی امید کی بنا پر کرتا ہے، یہ چیز محب انسانیت بنا سکتی ہے؟ اگر نہیں تو اسے انسانی تہذیب کا نصب العین کیسے قرار دیا جائے۔ اس عمل پر آمادہ کرنے کے لیے جو چیز محرک ہوگی اصلاً وہی نصب العین بننے کے لیے موزوں ہوگی۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر اس کا محرک کیا ہو؟ اس کا صحیح جواب ہمیں اسلام فراہم کرتا ہے:

اسلامی تہذیب کا نصب العین

اسلامی تہذیب کا نصب العین ان تمام نصب العینوں سے منفرد اور مختلف ہے، یہ نصب العین علاقائی، نسلی اور جملہ حدود سے ماورا ہے دائمی عالم گیر اور ہمہ گیر ہے۔ یہ نصب العین ہے انسانی زندگی کی تعمیر کے ذریعہ رضائے الٰہی کا حصول۔ یہ فطری بات ہے کہ انسان کا وجود جس ذات کی رہین منت ہے اس کا مقصدِ وجود بھی اس کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہی ہونا چاہیے۔ جس کا ذریعہ اس کے احکام کی پیروی، اس کے نواہی سے اجتناب اور اس کی مرضی کے مطابق تہذیب انسانی تشکیل ہے۔ قرآن نے انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت کو قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ	میں نے جن اور انسانوں کو صرف اسی
اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات:۵۶)	لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

اور عبادت کی معراج یہ ہے کہ اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کی جائے اس کی قربت اور نیاز حاصل کیا جائے یعنی انسان اپنے منتہائے کمال کو پالے۔ بایں معنی اسلامی تہذیب کا نصب العین اس کا متقاضی ہوگا کہ انسانوں کو اللہ کی عبادت اس کے اوامر کی اطاعت

---

[1] لیکی: تاریخ اخلاق یورپ ص ۱۹۵

اور نواہی سے اجتناب کا ماحول پیدا کرے تاکہ انسان اپنا ہر کام اللہ کی مرضی کے مطابق کرے اور اپنی پوری زندگی اس کی غلامی کی نذر کر دے۔ اس کی تمام خواہشات، احساسات و جذبات کا مرکز صرف اللہ اور اس کی رضا ہو۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ	"لوگوں کے لیے مرغوبات نفس، عورتیں،
مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ	اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے
الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ	مویشی اور زرعی زمینیں بڑی خوش آئند بنا دی گئی
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ	ہیں مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے
وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ	سامان ہیں حقیقت میں جو بہتر ٹھکانہ ہے وہ
مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ	تو اللہ کے پاس ہے کہو میں تمہیں بتاؤں کہ
عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ قُلْ	ان سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے جو لوگ تقویٰ
اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ	کی روش اختیار کریں ان کے رب کے پاس
لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ	باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہاں
جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا	انھیں ہمیشگی کی زندگی حاصل ہوگی۔ پاکیزہ بیویاں
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ	ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی رضا سے وہ
مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ	سرفراز ہوں گے۔" اور اللہ اپنے بندوں کے
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (آل عمران: ۱۴-۱۵)	رویہ پر گہری نظر رکھتا ہے۔

مگر کیا رضائے الٰہی مجرد کوئی شے ہے جس کا ثمرہ محسوس اور مادی شکل میں انسان کو کچھ نہیں ملتا یا رضائے الٰہی کا تعلق ان انعام و اکرام سے بھی ہے جن کا وعدہ مومنین سے کیا گیا ہے اور جن کی امید پر ایک مومن زندگی گزارتا ہے۔ بعض بزرگوں کا خیال ہے کہ:

"بندے کو اپنا فرض اس لیے نہیں بجا لانا چاہیے کہ اس کے معاوضے میں کسی نفع کی طمع اور ترقی یا انعام یا اضافہ مناصب یا جاہ و منزلت کی زیادتی کی لالچ ہے اگر اس نے انعام کو اپنا مقصد بنا لیا اور اپنے فرائض منفعت کی خاطر انجام دیئے تو کیا کوئی دانشمند ایسے ملازم کو ایک فرض شناس ملازم کہہ سکتا ہے؟"[1]

---

[1] سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ: اسلامی تہذیب کے اصول و مبادی۔ ص ۹۷

یہی خیال قرن اول کی ایک بزرگ خاتون رابعہ بصری نے ظاہر کیا تھا انھوں نے کہا تھا کہ میں چاہتی ہوں کہ جنت کو جلادوں اور جہنم کو بجھادوں تاکہ لوگ جہنم کے خوف اور جنت کی لالچ میں عبادت نہ کریں بلکہ صرف اللہ کی رضا ان کے پیش نظر ہو اور اس عبادت کو جو جہنم کے خوف اور جنت کی امید کی بنا پر کی جائے مزدوری سے تعبیر کیا تھا۔

یہ آرا اگرچہ مبنی برخلوص ہیں مگر اسلام میں اللہ کی رضا مجرد نا قابل فہم ہے بلکہ اللہ نے جنت کو اپنی رضا اور جہنم کو اپنی ناراضگی کا مظہر قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص جہنم سے نجات اور جنت کے حصول کو اپنا نصب العین قرار دیتا ہے اور وہ اسے رضائے الٰہی کا مظہر سمجھتا ہے تو اس کو فرض شناس نہ کہنا خلاف انصاف ہے۔ قرآن وحدیث میں بیشتر مواقع پر جنت کی طلب اور جہنم سے نجات مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ بعض مواقع پر تو یہ بھی کہا گیا ہے کہ بندے کی جان ومال کا سودا جنت کے بدلے میں ہو چکا ہے۔ ارشاد ہے

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان
اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ	کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید
الْجَنَّةَ (توبہ: ۱۱۱)	لیے ہیں۔

اسلامی نصب العین کی خصوصیات

پہلی چیز یہ ہے کہ نصب العین اصل میں نقطۂ عروج ہوتا ہے اور ترقی کا اصول یہ ہے کہ انسان ہمیشہ بلندی کو دیکھے اور جب انسان بلندی پر نظر ڈالتا ہے تو اس کو صرف خدا ہی بلند نظر آتا ہے باقی دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں حقیر اور اس کی غلام نظر آتی ہیں۔ اس لیے فطری طور پر انسانوں کا نصب العین خدا کی رضا سے ہم آہنگی اور اس کی قربت ہونا چاہیے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ فرد اور جماعت کا یکساں نصب العین ہے اس کے حصول کے لیے فرد بھی جدوجہد کرتا ہے اور جماعت بھی اور دونوں میں کوئی کشمکش اور رسہ کشی نہیں ہوتی۔ یہ وقتی اور محدود بھی نہیں کہ مشرق کے باشندے اس کو حاصل کر سکیں اور مغرب کے محروم رہیں۔ قرن اول میں ممکن ہو اور قرن ثانی میں مشکل۔ یہ نصب العین انسان کو تمام افکار و اوہام اور اضطراب و ہیجان سے نجات دلا کر فکر وعمل کی یکسوئی عطا کرتا ہے۔ یہی نصب العین انسانی اجتماعیت کی شیرازہ بندی بھی کرتا ہے اور یہی تہذیب کو قوتِ حیات بخشتا ہے اور انسان کے علمی دینی اخلاقی ذوقی و ثقافتی معیار کو اعلیٰ اور ارفع بناتا ہے۔

یہ نصب العین تہذیب کو ضمنی اور فروعی مسائل میں الجھانے کے بجائے ایک ابدی اور ناگزیر مسئلہ کا حل بنا دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ افراد مادی اور دنیاوی تنگ و تاریک دائروں میں گردش کرنے کے بجائے بلند سطح سے سوچنے اور وسعت فکر و عمل پیدا کرنے کے عادی ہو جاتے ہیں یہی ایک عالمگیر تحریک کی لازمی خصوصیت ہوتی ہے۔ پھر اس نصب العین کے اندر ایک ایسا محرک پوشیدہ ہے جو اس کی ترقی اور عروج کی ضمانت ہے جو افراد کے اندر ہر دم ایک نئی منزل تک پہنچنے کا شوق اور خوب سے خوب تر کی طرف بڑھنے کی امنگ پیدا کرتا ہے۔ اور لوگ ان تمام خوبیوں کو اپنے اندر سمیٹنے کے لیے سرگرم عمل ہو جاتے ہیں جو رضائے الٰہی کا ذریعہ قرار دی گئی ہیں۔ پھر اس نصب العین کے اندر ایک قسم کی قوت نافذہ بھی مضمر ہے جو تہذیب کے تقاضوں کو پورا کرنے اور عملاً ان کو بروئے کار لانے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک مومن جب کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی نگاہ فوراً اس میں رضائے الٰہی کو تلاش کرتی ہے اور وہ اس کو انجام دینے میں کیف اور لذت کا احساس کرتا ہے۔ اس کے برخلاف جب اس کو غلط کام کا پورا موقع فراہم کر دیا جاتا ہے اور ظاہری اسباب و وسائل بھی مہیا کر دیئے جاتے ہیں اور ساری رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں تو بھی اس کے اندرون سے انی اخاف اللہ (میں خدا سے ڈرتا ہوں) کی آواز ابھرتی ہے اور بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں[1] پھر یہی نصب العین کا گہرا شعور ہے جو مومن کو اپنی تہذیب کو ٹوٹ کر چاہنے اور اس کی حفاظت میں خود کو قربان تک کر دینے کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

اسلامی تہذیب پر نصب العین کا اثر

اس نصب العین کی مذکورہ خصوصیات نے اسلامی تہذیب پر انتہائی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں اور یہی خصوصیات ہیں جن سے اسلامی تہذیب کے مزاج کو سمجھنے میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ معاشرے میں جو شخص اس نصب العین سے جتنا زیادہ قریب ہوگا وہ اسی قدر مہذب (CIVILIZ-ED) انسان ہوگا اور جو اپنے نصب العین سے جتنا زیادہ بیگانہ ہوگا اس میں اسی قدر جاہلیت ہوگی خواہ اس کے پاس علم و آگہی صنعت و حرفت اور فنون و کمال کے کتنے ہی جوہر کیوں نہ موجود ہوں۔ یہ نصب العین تہذیب کی رگوں میں خون بن کر گردش کرتا ہے اور اس کو ہر دم تر و تازگی عطا کرتا ہے۔

---

[1] اس سلسلہ کا ایک موثر واقعہ کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ۲/ ۲۷۹

ODلی بان نے اسلامی تہذیب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

"اس اتحاد نے (جو اسلام پر تھا) عربوں کی پوری توجہ ایک نصب العین کی طرف موڑ دی اس سے ان میں بڑی شجاعت پیدا ہوگئی اور وہ اس مقصد کے لیے ہمہ وقت جان دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ یہ نصب العین خالص دینی تھا عربی حکومت اسی بنیاد پر قائم ہوئی تھی۔ دنیا میں وہ تنہا بڑی حکومت ہے جو مذہب کے نام پر قائم ہوئی ہے۔ اور اسی سرچشمہ سے ان کی ساری سیاست اور اجتماعی حالت نکلی ایرانی دنیا کی بوسیدگی نے جو گرنے کے قریب پہنچ گئی تھی عربوں کی فتوحات کو بڑا فائدہ پہنچایا کہ درحقیقت ایک ایسی ہی قوم جو مقصد اور خیالات و تصورات میں متحد ہو ملکوں کو فتح کر کے ان کی زندگی قائم اور برقرار رکھنے کی اہل تھی"[1]

نیز اس نصب العین کی وجہ سے افراد کے اندر باہمی نصیحت و خیر خواہی اور محبت و عزت کا زبردست جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور ہر فرد یہ چاہتا ہے کہ اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے جتنی محنت وہ کرتا ہے دوسرا بھی کرے جتنی ترقی اسے نصیب ہوئی ہے دوسروں کو بھی نصیب ہو۔ اور اس انعام واکرام میں ہر فرد مساوی طور پر شریک ہو۔ مختصر یہ کہ اسلامی تہذیب پر اس نصب العین کے اثرات ہمہ جہت اور لامحدود ہیں اس کا اندازہ کچھ وہی کر سکتا ہے جس نے دل و دماغ کی یکسوئی کے ساتھ اسے اپنا لیا ہو۔

اسلامی تہذیب کا مزاج

ہر نظام زندگی اور نظریہ حیات کا ایک مزاج ہوتا ہے۔ اور تہذیب و تمدن اس مزاج سے ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مزاج نظام باطن ہے اور تہذیب اس کی نقیب اور مظہر ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ تہذیب اپنے مزاج سے ہم آہنگ نہ ہو یا اس کے اندر مزاج کے اثرات اور خصوصیات نہ پائے جائیں۔ مزاج سے الگ کر کے کسی تہذیب کا تصور نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ جغرافیائی اور علاقائی تہذیبوں کا بھی ایک مزاج ہوتا ہے اور ان کے افراد کی اجتماعی سرگرمیوں میں اس کا انعکاس ہوتا ہے۔ مغرب کا ایک مزاج ہے اور مغربی تہذیب اس کی نقیب ہے،

---

[1] کرد علی، اسلام اور عربی تمدن ص ۱۳۶۔ ترجمہ شاہ معین الدین۔

اس سے پہلے یونانی اور مجوسی فلسفہ زندگی کا ایک مزاج تھا اور ان کی تہذیبیں اس مزاج سے ہم آہنگ تھیں۔ یہی حال دنیا کی تمام تہذیبوں کا ہے۔ اسلام کا بھی ایک مزاج ہے اور اسلامی تہذیب اس کی مظہر اور علامت ہے، چنانچہ اسلامی تہذیب کو بھی اس کے مزاج سے الگ نہیں کیا جا سکتا' اور اس مزاج کو سمجھے بغیر اسلامی تہذیب کا نہ تو ادراک ہو سکتا ہے اور نہ اس کی تشریح کی جا سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام کا مزاج کیا ہے جس سے اسلامی تہذیب ہم آہنگ ہے؟ مگر اس سوال پر غور کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ایک اور بنیادی سوال حل کر لیا جائے اور وہ یہ ہے کہ مزاج بجائے خود کیا چیز ہے؟ کیونکہ مزاج ہی کی شناخت پر اسلامی تہذیب کی مزاج شناسی منحصر ہے۔

مزاج وہ لطیف شے ہے کہ جتنی مشکل اس کی شناخت ہے اتنی ہی مشکل اس کی تفہیم اور تشریح بھی ہے۔ عمرانیات کی دوسری نازک اصطلاحوں کی طرح اس کے لیے مقدمات قائم کرنا اور مفروضات کے سہارے اس کی وضاحت کرنا بھی مشکل ہے۔ اس کے باوجود کچھ چیزیں معاون معلوم ہوتی ہیں طبیعات اور نفسیات میں مزاج کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

> "عناصر میں باہم ملنے کی کشش کم و بیش ہوا کرتی ہے سب میں یکساں نہیں ہوتی باہمی الفت رکھنے والے عناصر کے باہمی امتزاج سے ہمیشہ مزاج حاصل ہوا کرتا ہے، گویا مزاج اس نئی کیفیت کا نام ہے جو عناصر کے ملنے کے بعد مرکب میں حاصل ہوتی ہے"۔[۱]

جب تہذیب کا مزاج کہا جاتا ہے تو اس سے مراد تہذیب کو تشکیل دینے والے اجزا کی باہمی کیفیت اور ان اثرات و خصوصیات کا حاصل ہوتا ہے جو اجتماعی زندگی کے مجموعی نظام سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس میں انسانی فطرت، اخلاقی، روحانی اور جمالیاتی اقدار، اساسی نظریات، تصورِ حیات طرزِ زندگی، تہذیب کا نصب العین اور اس دنیا میں انسانی زندگی کے عملی حالات کو دخل ہوتا ہے۔ اب گویا اسلامی تہذیب کی مزاج شناسی کا مطلب تہذیب کے اجزائے ترکیبی کی باہمی کیفیت اور ان خصوصیات و اثرات سے حاصل ہونے والے نتیجہ کا مطالعہ ہوگا جو اسلامی نظامِ حیات سے ظاہر ہوئے ہیں۔

چونکہ تہذیب کسی ایک مطلق اور جامد شے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ بنیادی تصورات زندگی اور

---

[۱] افادہ کبیر ص۲۲-۲۱ حیدر آباد ۱۹۲۷ء

مظاہر کا مجموعہ ہوتی ہے اور بہت سے متناسب اجزاء سے اس کی ہیئت ترکیب وجود میں آتی ہے، اس لیے مزاج کی تخلیق میں ان اجزاء کا اہم رول ہوتا ہے۔ ان میں جتنی قوت اور جتنا استقلال ہوتا ہے اسی قدر ان میں تہذیب پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اسی لیے اجزاء تہذیب کی نوعیت استقلال مطالعہ تہذیب میں مفید اور معنیٰ خیز تصور کی جاتی ہے۔ چنانچہ اسلامی تہذیب کے ترکیبی عناصر کا تجزیہ کیا جائے اور ان کی اصل کو سمجھ لیا جائے تو اس کے مزاج کی شناخت اور دریافت بھی آسان ہو جاتی ہے۔ مثلاً اسلامی نظام زندگی کی روح ایمان، عمل صالح اور تقویٰ ہے۔ اس میں سیاست کی بنیاد اللہ کی حاکمیت اور اس کی خلافت و نیابت ہے، معیشت کی بنیاد ضرورت اور کفالت ہے، معاملات کی بنیاد عدالت اور امانت ہے، معاشرت کی بنیاد بھائی چارگی اور خیر خواہی ہے، اخلاق کی بنیاد عفت اور حیا ہے، روحانیت کی بنیاد عبودیت اور اطاعت ہے، ان تمام چیزوں سے مل کر اسلامی تہذیب کی ترکیبی ہیئت وجود میں آتی ہے اور اس سے حاصل ہونے والی کیفیت مزاج ہے۔ اب اسلامی تہذیب کا جو تصور قائم ہوتا ہے وہ اپنے مزاج سے ہم آہنگ اور متحد ہے۔ نظام زندگی کے ان اصولوں سے ان جزئیات اور فروعات کی گرہ بھی کھل سکتی ہے جو حالات اور زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ رونما ہوتے ہیں اور تہذیب کے مجموعی نظام میں جذب ہو جاتے ہیں۔ اس انجذاب میں مزاج کا اہم کردار ہوتا ہے۔

اجزاء کی نوعیت استقلال کے ساتھ ساتھ ان کی اپنے کل سے نسبت اور باہمی ارتباط کی کیفیت بھی مزاج شناسی میں اہمیت رکھتی ہے۔ تہذیب کی کلیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک نظام زندگی کو ظاہر کرنے والے یہ اجزاء کسی نہ کسی طرح ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوتے اور ایک دوسرے سے تقویت حاصل کرتے ہیں اسی اجتماعی قوت سے تہذیب ایک نظام کی شکل اختیار کرتی چلی جاتی ہے۔ تہذیب کو ایک نظام کے بطور پیش کرنے کے لیے ہم اس کے چند حصوں کو موضوع بحث بنا سکتے ہیں، اگر ان کا ایک محور تسلیم کیا جائے اور ان اجزاء کو محور پر منطبق کر کے دیکھا جائے کہ وہ اس محور سے اور خود آپس میں کس طرح مربوط ہوتے ہیں تو مزاج شناسی کا مسئلہ کچھ اور سہل ہو جاتا ہے ایک امریکی مفکر HONIGMANN نے اس کو اسلامی مثال کے ذریعہ یوں سمجھایا ہے:

"مثال کے طور پر وادی سعاد (پاکستان) میں زندگی کے بہت سے پہلو وہاں کے لوگوں کا اسلام پر کامل اعتقاد رکھنے کی وجہ سے شکل پاتے ہیں۔

صرف حلال گوشت کھایا جاتا ہے، مردار اور سور سے پرہیز کیا جاتا ہے، عورتیں غیر محرم مردوں کے سامنے چہرہ نہیں کھولتیں، اگر خاندان پڑھا لکھا ہو تو قرآن کو گھر میں ایک معزز اور ممتاز مقام پر رکھا جاتا ہے، کیلنڈروں میں مسلمانوں کے مقدس مقامات کے مناظر ہوتے ہیں.... جمعہ کو کم از کم آدھی چھٹی ہوتی ہے جبکہ تمام کاروبار بند کر دیئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ تصور عظمت و شرف بھی اسلام ہی کا نتیجہ ہوتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے بزرگ اس آئیڈیل کی حیثیت رکھتے ہیں جس کے مطابق سیرتیں بنائی جاتی ہیں“[۱]

گویا ان اجزاء کا محور عقیدہ اسلامی کو قرار دے کر ان کی حیثیت دریافت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ HOLIST حضرات درخت کا مطالعہ کرنے کے لیے ایک تو اس درخت کی ماہیت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور جنگل کا بھی معائنہ کرتے ہیں جس کے ایک جزو کی حیثیت سے درخت پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح تہذیب کا مزاج معلوم کرنے کے لیے اجزاء کی معرفت کے ساتھ کلیت کی معرفت بھی ضروری ہے۔

تہذیب کا مزاج اصول اور کلیات سے وجود میں آتا ہے مگر اس کا اظہار جزئیات کے ذریعہ ہی ہوتا ہے، اگرچہ یہ جزئیات اپنے اصول اور کلیات ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ان جزئیات کو باہم ترتیب دے کر مجموعی نظام زندگی کے چوکھٹے میں دیکھا جائے تو مزاج شناسی کا معاملہ کچھ اور آسان ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص رقص و سرود اور ہر قسم کی موسیقی کو روا قرار دیتا ہے۔ تو بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ اسلامی تہذیب کے مزاج کے خلاف ہے۔ کیونکہ اسلام نے افراد کی تربیت اور تزکیہ کا جو ضابطہ مقرر کیا ہے اس سے یہ چیز متصادم ہے، اس کی افادیت کو متاثر اور مجروح کرتی ہے۔ یا اگر اسلام کی تعبیر اس طرح کرنے کی کوشش کی جائے کہ گویا وہ فرد کی زندگی کا ایک اصول ہے، یا محض ایک اخلاقی نظام ہے، یا ایسا دین ہے جو ہر نظریہ اور تہذیب کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے اور اس کا جزو بن سکتا ہے تو بالیقین کہا جائے گا کہ یہ اسلام کے مزاج کے منافی ہے کیونکہ قرآن و حدیث کی تعلیمات سے دین کا جو نقشہ متعین ہوتا ہے وہ کلی اور جامع نظام زندگی سے عبارت ہے۔ اس کا مطالبہ فرد اور جماعت سے محض جزوقتی نہیں بلکہ پوری زندگی ہمیشہ

---

[۱] HONIGMANN-J-J, UNDER STANDING OF CULTURE PP. 312.

کے لیے خدا کی بندگی میں وقف کر دینا ہے مختصر الفاظ میں وہ ادخلوا فی السلم کافۃ[1] (اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ) کا مطالبہ کرتا ہے۔ جبکہ اس صورت میں اس کی یہ جامعیت اور ہمہ گیریت مجروح ہوتی نظر آتی ہے۔ اسی طرح اگر دین کو اس طرح سمجھا جائے کہ وہ ایک ایسا روحانی مذہب ہے جو صرف اذکار و مناجات اور واردات قلبی کا داعی ہے اور معاملات دنیا سے وہ بے تعلقی کا مطالبہ کرتا ہے تو اسے دین کے مزاج کے خلاف کہا جائے گا، کیونکہ اسلام دنیا کے اندر آخرت کی راہ نکالنے کا حکم دیتا ہے نہ کہ آخرت کے نام پر دنیا ترک کر دینے کی تلقین کرتا ہے۔

اسلامی تہذیب کے مزاج کا تعین کرنے والی اہم شئے وہ حدود بھی ہیں جن کو اللہ نے قائم کیا ہے ان حدود کا منشا یہ ہے کہ انسان ان منفی چیزوں سے اجتناب کرے جن کے اثرات تربیت ذات پر پڑتے ہیں اور جو ہمہ گیر شخصیت کی تعمیر و ترقی میں حارج ہیں۔ ان حدود کے قریب جانا بھی اسلام کے مزاج کے منافی ہے بہت ممکن ہے کہ ذرا سی غفلت سے انسان ان کا مرتکب ہو جائے۔ پھر اسلامی تہذیب کا مزاج اسلام کے ظاہری احکام اوامر ونواہی، حلت وحرمت سے زیادہ ان کی حکمت اور علت وغایت میں مضمر ہے۔ اسی لیے حکم کو سمجھنے سے زیادہ ضروری ہے کہ مقصد حکم کو سمجھا جائے اور عمل کو دیکھنے سے پہلے ضروری یہ ہے کہ حکمت عمل پر غور کیا جائے تاکہ اس حاصل ہونے والے نتیجہ سے دوسری جگہ بھی فائدہ اٹھایا جا سکے۔

اسلامی تہذیب کے مزاج کو متعین کرنے والی سب سے طاقتور بنیاد اس کا تصور توحید ہے جو پوری تہذیب کے رگ باطن میں جاری اور ساری ہے یہی وہ مرکزی نقطہ بھی ہے جس پر پورا نظام تہذیب قائم ہے۔ اور اسی سے اس کا مزاج وجود میں آتا ہے۔ اسلامی تہذیب پر عقیدہ توحید کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ مسلمانوں کے آرٹ اور فنون تک پر محیط ہے۔ اس کا اندازہ کچھ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمان فاتح بن کر دوسرے ممالک میں پہونچے تو وہاں کے قومی ہیروز اور مذہبی رہنماؤں میں اسی تصور کی بنا پر فرق کر کے اخذ وقبول اور رد کا معاملہ کیا مثلاً ایران اور انڈونیشیا کے ہیروز کو بایں معنی اپنا لیا کہ بڑی فراخ حوصلگی سے ان کی عظمت کا اعتراف کیا اور اپنی تاریخ اور ادب میں جگہ دی مگر ہندوستان کے ہیروز سے نہ صرف الگ رہے بلکہ ان سے برات ظاہر کر دی۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ہندوستان کے ہیروز محض قومی یا انسانی رہنما نہ تھے بلکہ دیوی دیوتا تھے اور انسانوں کے جذبہ عبودیت کا استعمال کرتے تھے چنانچہ

---

[1] البقرہ - ۲۰۸

رام، کرشن، لچھمن، وشنو، محض ہیروز ہی نہیں ہیں بلکہ دیوتا بھی ہیں۔ جبکہ ایران اور انڈونیشیا کے ہیروز دیوی دیوتا نہیں بلکہ انسانی اور اخلاقی صفات کے حامل انسان ہیں۔ مثلاً کوئی بڑا بہادر ہے، تو کوئی بہت بڑا فیاض، کوئی بہت بڑا عادل ہے تو کوئی بہت بڑا ہمدرد و دلنواز۔ رستم، نوشیرواں وغیرہ اسی قسم کے انسان ہیں۔ اور ان کو اپنانے میں تصور توحید مزاحم نہیں۔

اسلامی تہذیب کی مزاج شناسی ہر اس شخص سے نہیں ہوسکتی جو عام معنوں میں مسائل اور احکام کا علم رکھتا ہو، بلکہ وہی شخص اس کا اہل ہوسکتا ہے جسے احکام کے علم کے ساتھ ان کی نزاکت کا بھی احساس ہو اور اس کی گہرائی کا علم بھی اسے حاصل ہو۔ ورنہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بظاہر ایک شے قابل استفادہ ہوتی ہے اور کسی تہذیبی اصول سے اس کا تصادم بھی نہیں ہوتا مگر فی الواقع اس کا اثر منفی ہوتا ہے۔ جو کسی بھی نازک مرحلہ میں ظاہر ہوسکتا ہے۔ مزاج شناسی کی ایک واضح مثال جس سے اس کی نزاکت کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے جنگ قادسیہ میں حاصل ہونے والا مالِ غنیمت ہے، جس میں ہیرے، جواہرات، سونا، چاندی اور دیگر بیش قیمت اشیاء شامل تھیں۔ ان میں ایک بہت بڑی قالین بھی تھی جس کی تقسیم صحیح طریقہ پر نہ ہوسکی۔ حضرت سعد نے جو سالار جنگ تھے مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا تم اپنی رضامندی کے ساتھ اپنے ۴/۵ حصے سے دست بردار ہوسکتے ہو تاکہ ہم اسے خلیفہ عمرؓ کے پاس بھیج دیں اور وہ جس طرح چاہیں اس کے بارے میں فیصلہ کریں؟ مسلمانوں نے اس پر اپنی رضامندی کا اظہار کردیا۔ یہ قالین ساٹھ ۶۰x۶۰ مربع گز کا ایک مسلسل فرش تھا اور ایک جریب کے برابر تھا، اس میں سڑکوں اور نہروں کے نقش و نگار تھے، اس کے درمیان میں خانقاہیں تھیں، ان کے اطراف میں سرسبز چمن تھے، جس میں موسم کی سبزیاں اور پودے لہلہا رہے تھے، یہ ریشم کے بنے ہوئے تھے اور پھول کلیاں سونے کی تھیں، اور اسی طرح بہت سی تصاویر اور نقوش تھے۔ شاہان ایران نے اسے اس لیے تیار کرایا تھا کہ موسم سرما میں جب بہار رخصت ہوجاتی ہے اور پھول پودے ختم ہوجاتے ہیں۔ تو وہ اس پر بیٹھ کر شراب نوشی کریں تاکہ یہ فرش موسم بہار کا کام دے۔ اہلِ عرب اس کو قطیف کہتے ہیں، ایرانیوں نے اس کا نام بہار رکھا ہے۔ جب یہ فرش حضرت عمرؓ کے پاس پہونچا تو آپ نے مسلمانوں کو جمع کیا اور حمد و ثنا کے بعد ان سے اس فرش کے بارے میں مشورہ کیا، لوگوں نے کثرتِ رائے سے اور ایک روایت کے مطابق متفقہ طور پر کہا "یہ آپ کا ہے آپ جیسا چاہیں کریں" اس کے بعد حضرت علی کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"اصل بات تو وہی ہے جو ان لوگوں نے کہی مگر آپ اس بات پر غور کریں کہ

اگر آپ نے اس کو قبول کر لیا تو آئندہ زمانہ میں ایسے لوگ آئیں گے جو ان چیزوں
کا بھی اپنے آپ کو مستحق قرار دیں گے جو ان کی نہیں ہے"[۱]

اس پر حضرت عمرؓ نے کہا تم نے درست بات کہی اور مجھے اچھی نصیحت کی اور انھوں نے اسے کاٹ کر لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت علی نے جس چیز کی طرف نشاندہی کی تھی وہ دین کا بہت ہی نازک نکتہ ہے جس کی طرف ہر کسی کی توجہ مبذول نہیں ہو سکتی، حضرت علی نے دین کے اس مزاج کو سمجھا کہ اسلام نے شراب کو حرام کیا تو ان لوازم کو بھی حرام کر دیا جن سے اس کی یاد وابستہ تھی، آنے والے دور میں جب حکمراں اس کے مالک بنیں گے تو یقیناً ان میں ایرانی تمدن کے مضر اثرات پیدا ہوں گے اور معاشرہ میں فتنہ رونما ہوگا۔ چنانچہ اس کو کاٹ کر تقسیم کروا دیا گیا۔

---

[۱] تاریخ طبری : ۴/۲۳، ۲۲ قاہرہ ۱۹۶۳ء

ہماری انگریزی مطبوعات

1. The Islamic Economic Order
   By Maulana Sadruddin Islahi. Rs. 5=00
2. How to Study Islam,
   By Maulana Sadruddin Islahi. Rs. 2=00
3. Muslim & Dawah of Islam,
   By Maulana Sadruddin Islahi. Rs. 2=00
4. Pitfalls on the Path of Islamic Movement.
   By Maulana Sadruddin Islahi. Rs. 4=00
5. Islam and the Unity of Mankind
   By Maulana Jalaluddin Umri. Rs. 3=00
6. Islam The Universal Truth,
   By Maulana Jalaluddin Umri. Rs. 3=00
7. Islam The Religion of Dawah,
   By Maulana Jalaluddin Umri. Rs. 2=50

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami
Panwali Kothi Dodhpur
A L I G A R H